اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ

(دو خدا)

ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ...... (۱۶/۵۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھنا! تم کہیں دو الٰہ نہ بنا لینا۔ الٰہ وہی ایک ہے۔

یہ آیت بڑی عظیم و جلیل ہے جس کا تعلق، منکرینِ خدا سے نہیں۔ خدا کے ماننے والے، ہم مسلمانوں سے ہے۔ یہ کفر و اسلام میں خطِ امتیاز اور شرک اور توحید میں حدِ تفریق ہے۔

لیکن اس کی عظمت و جلالت۔ اس کی محکمیت اور اہمیت اسی صورت میں سمجھ میں آ سکتی ہے جب اِلٰـهَيْنِ کا مفہوم سمجھ میں آ جائے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ ہم شروع سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ اسلام کی گاڑی کو دوسری (غیر اسلامی) پٹڑی پر ڈالنے کے لئے ترکیب یہ اختیار کی گئی کہ قرآن کی اصطلاحات کا مفہوم بدل دیا گیا۔ دین کی عمارت اِلٰہ کے صحیح مفہوم پر استوار ہوتی ہے۔ اس کے معنی ہیں، صاحب اقتدار۔ حاکمِ مطلق۔ واحد حکمران (اسی سے اللہ ہے۔ اور اِلٰهَيْن کے معنی ہیں دو اِلٰہ)۔ یہ مفہوم اس نے خود ہی واضح کر دیا۔ پہلے کہا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (۱۱۲/۱) اے رسولؐ! اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کر دو کہ حقِ حکومت صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اور اس کی وضاحت میں کہہ دیا کہ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ...... (۱۸/۲۶) وہ اپنے حقِ حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس میں "اَحَدًا" کا لفظ بڑا اہم ہے۔ یعنی اس میں کسی کی بھی استثنا نہیں۔ خدا کے سوا کسی کو حقِ حکومت حاصل نہیں — کسے باشد!

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... (۳/۷۹)

کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں۔ خواہ وہ ضابطہ، قوانین کا حامل ہو۔ خواہ اس کے سپرد انتظامیہ ہو۔ حتّٰی کہ وہ نبی بھی کیوں نہ ہو، اسے اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ سے ورے میرے محکوم بن جاؤ۔

اگر کوئی ایسا کہے گا۔ یا ایسا سمجھے گا تو وہ شرک کا مرتکب ہو گا۔

لہٰذا صرف خدا کے احکام کی اطاعت کرنا توحید ہے۔ اور اس کے ساتھ کسی اور کے احکام کی اطاعت کرنا شرک ہے۔ رسُول بھی، اپنی اُمّت سے خدا کے احکام کی اطاعت کراتا تھا۔ اپنے احکامات کی نہیں، کیونکہ ایسا کرنا شرک ہو جاتا۔ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ...... پر اس کا ایمان محکم ہوتا تھا، اور اس پر عمل کرنا اور کرانا اس کا دین۔

لیکن جب اسلام کو دوسری پٹڑی پر ڈال دیا گیا تو اِلٰہ کے معنی ہو گئے "وہ جس کی پرستش کی جائے"۔ محکومیت کی جگہ پرستش کے لفظ نے دین کا سارا نظام الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ اب "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے معنی ہو گئے۔ "خدا کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں"۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے معنی ہو گئے پرستش صرف ایک خدا کی جائز ہے۔ مفہوم کی اس تبدیلی سے توحید کے معنی ہو گئے صرف خدا کی پرستش کرنا، اور شرک کے معنی ہو گئے بت پرستی۔ اور چونکہ مسلمان بت پرستی نہیں کرتے اس لئے ان کے توحید پرست ہونے میں شبہ ہی نہ رہا۔ اب ہمارے ہاں شرک اور توحید کی فرقہ وارانہ بحثوں کا موضوع ہوتا ہے، قبروں پر جانا۔ مُردوں سے دعائیں مانگنا۔ مزاروں پر چراغاں کرنا۔ عرس کرنا۔ نذر نیاز دینا۔ یہ شرک ہے۔ جو ایسا نہ کریں وہ مُوحّد ہیں! یہ سوال ہی نہیں کہ محکومیت کس کی اختیار کی جا رہی ہے؟ اطاعت کس کے احکام کی کی جاتی ہے!

اس تمہید کے بعد آگے بڑھیئے۔ قرآن نے کہا ہے کہ

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ ...... (۴۳/۸۴)

خارجی کائنات میں بھی اقتدار اسی کا ہے اور انسان کی ارضی زندگی میں بھی اسی کا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنے دائرۂ اقتدار کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں بھی ایک اہم حقیقت مضمر ہے۔ خارجی کائنات جن قوانینِ فطرت کے مطابق سرگرمِ عمل ہے، وہ کسی انسان کے وضع کردہ نہیں۔ خدا ہی کے متعیّن فرمودہ ہیں۔ لیکن (وہ کہتا ہے کہ) انسانوں کی کیفیت یہ ہے کہ یہ خارجی کائنات میں تو اس کے قوانین کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اپنی (ارضی) زندگی کے لئے اور اِلٰہ تجویز اور اختیار کر لیتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے محققین ہی کی یہ کیفیت نہیں کہ وہ قوانینِ فطرت کی محکمیت اور صداقت پر سر دھنتے ہیں۔ زمانہ نزولِ قرآن کے دانشوروں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس حقیقت کو قرآنِ کریم نے متعدد مقامات میں دہرایا ہے۔ (مثلاً) سورۂ العنکبوت میں ہے:۔

اگر ان سے پوچھو کہ ارض و سماوات کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں تو یہ اقرار کریں گے کہ اللہ ہی نے ایسا کر رکھا ہے۔ ...... یا ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو بادلوں سے مینہ برساتا اور پھر اس سے زمین مردہ کو از سرِ نو زندگی عطا کرتا ہے۔ تو یہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ سب کچھ خدا ہی کرتا ہے۔ (۲۹/۶۱–۶۳) نیز (۲۳/۸۴–۸۸) (۳۹/۳۸) (۴۳/۹)۔

ان کے ان اعترافات کے بعد وہ ان سے کہتا ہے کہ جب تم کائنات کی وحدت کے قائل ہو۔ اور اس کے

بھی معترف ہو کہ ان میں خدا ہی کے قوانین کارفرما ہیں تو پھر اپنی ارضی زندگی کو اس سے الگ کس طرح کر سکتے ہو! جس طرح اس کے قوانین خارجی کائنات میں کارفرما ہیں اسی طرح انہیں تمہاری ارضی زندگی میں بھی نافذالعمل ہونا چاہیئے۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ۝ (۲۱/۲۱)

یہ اپنی ارضی زندگی کے لئے اور اِلٰہ اختیار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زندگی کو انہی کے قوانین اور پروگراموں کے مطابق پھیلنا اور آگے بڑھنا چاہیئے۔

اور اس کی تردید میں بڑی دلیل یہ دی کہ لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا...... (۲۱/۲۲) اگر کائنات میں ایک اللہ کے بجائے بہت سے اِلٰہ ہوں، جن کے اپنے اپنے قوانین نافذالعمل ہوں، تو کائنات کا سارا سلسلہ تہس نہس ہو جائے"۔

یہاں تک یہ حقیقت ہمارے سامنے آئی کہ اگر (۱) خدا کو محض پرستش کی شئے تسلیم کر لیا جائے۔ یا (۲) اس کے کائناتی قوانین کی حقانیت کا اعتراف کر لیا جائے، لیکن انسانی زندگی کے لئے انسانوں کے خودساختہ قوانین تسلیم کئے جائیں، تو یہ وہ نظام ہوگا جسے آج کی اصطلاح میں سیکولرازم کہا جاتا ہے۔ سیکولرازم میں تینوں گروہ شامل ہو جاتے ہیں۔ یعنی (۱) خدا کی ہستی ہی کے منکر۔ (۲) اس کے وجود کے تو معترف لیکن اس کا دائرۂ اقتدار صرف خارجی کائنات تک محدود ماننے والے۔ اور (۳) خدا کے قائل لیکن اسے صرف ایسی ہستی سمجھنے والے جس کی پرستش کی جائے۔

ارضی زندگی میں یہ تینوں گروہ انسانوں کے خودساختہ قوانین کے قائل ہوتے ہیں۔ اگر یہ اس زندگی میں خدا کے قوانین کو بالکل شامل نہیں کرتے تو انہیں کافر کہا جائے گا، اور اگر خدا کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خودساختہ قوانین بھی شامل کرتے ہیں تو مشرک کہلائیں گے کیونکہ یہ لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِهٖٓ اَحَدًا...... کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہم (مسلمانوں) کا شمار اسی زمرہ میں ہوتا ہے۔ ہم بعض احکام خدا کے مانتے ہیں اور (ان کے ساتھ) بعض انسانوں کے وضع کردہ۔ اس طرح ہم اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ کے عمل پیرو کار ہیں۔ واضح رہے کہ خدا نے کہا تھا کہ لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِهٖٓ اَحَدًا...... وہ اپنے حقِ حکومت میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اس لئے احکامِ شریعت وضع کرنے والے کوئی بھی ہوں، خدا انہیں اپنا شریک قرار دیتا ہے۔ انہی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ اَمْ لَهُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ...... (۴۲/۲۱) "کیا ان لوگوں نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے احکامِ شریعت وضع کرتے ہیں، حالانکہ خدا نے کسی کو اس کی اجازت نہیں دی"! یہ کون ہیں جو احکامِ شریعت وضع کر کے خدا کے حقِ حکومت میں شریک ہو جاتے ہیں؟ فرمایا: یہ علماء و مشائخ ہیں۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... (۹/۳۱)۔ ان احبار و رہبان (فقہاء و مشائخ) کی عقیدت ان کے دلوں میں اس قدر اہمیت اختیار کر لیتی ہے کہ اگر انہیں خدا کا ہمسر قرار نہ دیا جائے تو یہ سخت برہم ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ (۳۹/۴۵)

جب ان کے سامنے خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کے ماسوا (ان کے احبار و رہبان کا) ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

آپ ان کی محفلوں اور مجلسوں، مکتبوں اور دارالعلوموں میں جا کر دیکھئے۔ خدا کا نام تو محض برائے اذنِ بیت (یا تبرکاً) لیا جائے گا۔ تمام تذکرے انہی علماء اور فقہا کے کئے جائیں گے۔ آپ ان کی احکامِ شریعت کی کتابوں کو دیکھئے۔ دس دس، بیس بیس (بلکہ ان سے بھی زیادہ) ضخیم جلدوں پر مشتمل لیکن سب انہی فقہا حضرات کے احکام و فتاویٰ پر مبنی۔ قرآن کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مجمل اور نامکمل ہے۔ اس کی تکمیل انہی احکامِ شریعت سے ہوتی ہے۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا...... (۴۰/۱۲) "یہی وجہ ہے کہ جب انہیں خدائے واحد و لاشریک کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو یہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ ایمان اس وقت لاتے ہیں جب اس کے ساتھ ان (فقہا اور علماء) کو بھی شریک کیا جائے۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ یاد رکھو...... فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ○ (۴۰/۱۲) "احکام صادر کرنے کا حق اور اختیار صرف خدا کو حاصل ہے جو سب پر غالب اور کبریائی کا سزاوار ہے۔ اس میں کسی اور کو شامل کر لینا کفر ہے ــــ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۔"

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، احکام خداوندی میں انسانوں کے خودساختہ احکامِ شریعت کو شامل کر لینے سے ہم عملاً اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ (دو خداؤں) کے پیروکار ہو رہے ہیں۔ اس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہم یہاں چند ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ خدائے واحد کے احکام	۲۔ شرکاء کے احکام
(۱)۔ زانی مرد اور عورت کی سزا سو دُرّے ہے۔	(۱) غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا بے شک سو دُرّے ہے لیکن شادی شدہ کی سزا سنگسار ہے۔ (اس کے معنی یہ ہیں کہ حکم خداوندی نامکمل تھا۔ اس کی تکمیل اس غیر خداوندی حکم کو ساتھ ملانے سے کی گئی)۔
(۲) مرنے والا، اپنے پورے ترکہ کے متعلق جس کے حق میں جی چاہے وصیت کرے۔ یہ حکم خداوندی ہے۔ اور تمام مومنین پر فرض۔	(۲) وصیت صرف ایک تہائی مال کے متعلق کی جا سکتی ہے۔ اور وہ بھی ورثا کے حق میں نہیں۔ (یہ حکمِ خداوندی کے خلاف اور علی الرغم متبادل حکم ہے)۔

(۳) غلاموں اور لونڈیوں کو خدا نے ختم کر دیا۔

(۳) بلا تعداد جس قدر جی چاہے لونڈیاں رکھی جا سکتی ہیں (یہ خدائے واحد کے خلاف بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟)۔

(۴) مذہب (اسلام) کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ جس کا جی چاہے اسلام لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے۔

(۴) مذہب کی تبدیلی کرنے والے مسلمان (مرتد) کی سزا موت ہے۔ (یہ خدا کے حکم سے صریحاً سرکشی ہے)۔

مثالیں تو اور بھی دی جا سکتی ہیں لیکن ان کی ضرورت نہیں۔ خدا کے کسی ایک حکم کے بالمقابل دوسرا حکم آجائے تو شرک کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

———(۰)———

فقہا کے قوانین سازی کے حق کا سوال ہمارے ہاں شروع سے متنازعہ فیہ چلا آتا ہے۔ اہلِ حدیث حضرات ان کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن جہاں تک اطاعتِ رسولؐ کا تعلق ہے، اسے (بالواسطہ یا بلا واسطہ) متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ اور یہی سوال ہے جس کے صحیح طور پر نہ سمجھنے سے اُمت میں اس قدر اختلافات، تفرقات، اور الجھاؤ پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں اور کوئی حکومت کوئی ایسا ضابطہ، قوانین مرتب نہیں کر سکتی جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اگر اس بنیادی نکتہ کو قرآنی روشنی میں سمجھ لیا جائے تو یہ ساری اُلجھنیں دُور ہو جاتی ہیں۔

(۱) سب سے پہلے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ جب خدا نے کہا ہے کہ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا۔ تو اس میں کسی کی بھی استثنےٰ نہیں کی گئی۔ اس کے معنی ہیں کہ قانون سازی (حکومت) کا حق، اور تو اور رسولؐ کو بھی حاصل نہیں تھا۔ اس کی وضاحت آیت (۳/۷۹) میں کر دی جہاں کہا کہ نبی کو بھی اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے احکام کا محکوم بنائے۔ (یہ آیت پہلے درج کی جا چکی ہے)۔

(۲) حضورؐ کو خدا کا حکم تھا کہ آپ لوگوں سے احکامِ خداوندی کی اطاعت کرائیں۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ...... (۵/۴۸) چنانچہ حضورؐ دوسروں سے بھی احکامِ خداوندی کی اطاعت کراتے تھے، اور خود بھی انہی احکام کا اتباع کرتے تھے۔ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ..... (۶/۵۰)

(۳) مقامِ اطمینان ہے کہ خود اہلِ حدیث حضرات بھی اب اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں کہ قانون سازی کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ رسولؐ کو بھی نہیں۔ طلوعِ اسلام کی اسی اشاعت میں دوسری جگہ، ماہنامہ محدث پر تفصیلی تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اس میں سے دو ایک اقتباس یہاں مکرر درج کئے جاتے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ

نظامِ خلافت میں مقتدرِ اعلیٰ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک اور قانون ساز ہے۔ ملتِ اسلامیہ اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے بنیادی قوانین اللہ تعالیٰ خود بذریعہ انبیاء انسانوں کو بتلاتا ہے ایسی قانون سازی کا اختیار کسی نبی کو بھی نہیں ہوتا۔ (ص ۱۹۹)

ذرا آگے چل کر تحریر ہے :-

اسلام میں نقطۂ نظر سے کسی فرد یا ادارہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدائی قوانین میں ترمیم و تنسیخ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہے۔ کسی دوسرے کو قانون سازی کا اختیار حاصل نہیں۔ اور نہ خدا کے بنائے ہوئے قانون میں ردّ و بدل کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ نبی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ (صفحہ ۲)

یہ اعتراضات ان تمام اُلجھنوں کو حل کر دیتے ہیں جو کتاب و سنت کے باب میں لاینحل بن رہی ہیں۔ بایں ہمہ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اطاعتِ رسولؐ کے سوال کو ذرا اور وضاحت سے بیان کر دیا جائے۔ اس باب میں دو آیات غور طلب ہیں جنہیں خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ...... (۴/۶۴)

رسولوں کو اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ حکمِ خداوندی کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے۔

(۲) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ...... (۴/۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

اسلام کو اگر ایک مذہب (ہر فرد کا اپنا اپنا معاملہ) سمجھا جائے تو ان آیات سے ذہن میں اُلجھن پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے (بظاہر) خدا اور رسول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصور سامنے آتا ہے جو توحید کے خلاف ہے۔ لیکن اسلام، مذہب نہیں۔ وہ نظامِ حکومت ہے اور نظامِ حکومت کی روشنی میں ان (اور ان جیسی دیگر) آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ نہ ہی کوئی اُلجھن باقی رہتی ہے۔

نظامِ حکومت

کسی آئینی حکومت میں سڑک کے چوراہے پر کھڑا سپاہی جب کسی غلط راہ رو کو ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے تو وہ اس سے اپنے حکم کی اطاعت نہیں کراتا۔ وہ اس حکم کی اطاعت کراتا ہے جسے نافذ کرنے کے لئے اسے وہاں تعینات کیا گیا ہے۔ اسی مثال کو اوپر تک لے جائیے۔ سپاہی سے لے کر آئی۔جی۔ پولیس تک سب قوانینِ مملکت کی تعمیل کروانے کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ گورنر کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ صدرِ مملکت کا فریضہ بھی قانونِ مملکت کی تنفیذ ہوتا ہے۔ وہ بھی اہلِ مملکت سے قانون کی اطاعت کراتا ہے۔ اپنا حکم نہیں منواتا۔ اور وہ قانون بھی خود اس کا وضع کردہ نہیں ہوتا۔ قانون ساز اتھارٹی کا مرتب کردہ ہوتا ہے۔

انسانی دنیا میں نظامِ خداوندی یہ ہے کہ لوگ اس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ یہ قوانین اس کتاب میں منضبط ہیں۔ لیکن کتاب کے الفاظ تو اپنی اطاعت نہیں کرا سکتے۔ ان کی اطاعت کرانے کے لئے ایک زندہ محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی کتاب کے ساتھ رسول بھیجتا ہے (تھا)۔ رسول کا مقصد لوگوں سے کتابِ خداوندی کی اطاعت کرانا ہوتا تھا۔ اپنی اطاعت نہیں۔ یہ ہے مفہوم مندرجہ بالا آیت (۴/۶۴) کا جس میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنی اطاعت رسولوں کے ذریعے کراتا ہے۔ جو شخص ٹریفک کے سپاہی کے حکم کی اطاعت کرتا ہے وہ اس سپاہی کی اطاعت نہیں کرتا۔ وہ

درحقیقت اس اتھارٹی کی اطاعت کرتا ہے جس کی اطاعت کا حکم وہ سپاہی دیتا ہے۔ اس سے اس آیۂ جلیلہ کا مفہوم (بلاتمثیل) واضح ہو جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ (۴/۸۰) اسی نظامِ اطاعت کو حضور نبی اکرمؐ نے ان چند جامع الفاظ میں سمو کر فرما دیا کہ

من اطاعنی فقد اطاع اللہ۔ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی۔ (بخاری۔ کتاب الاحکام)

جس نے میری اطاعت کی اس نے (درحقیقت میری نہیں بلکہ) اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے (اس امیر کی نہیں بلکہ درحقیقت) میری اطاعت کی۔

ایک آئینی اور نظامی حکومت میں اطاعتوں کا یہی سلسلہ نیچے سے اوپر تک مسلسل چلتا ہے لیکن اطاعت ان کڑیوں (عمالِ حکومت) میں سے کسی کی نہیں ہوتی۔ یہ سب قانون کی اطاعت کرتے ہیں۔ حکومتِ خداوندی میں یہ قانون خدا کا عطا فرمودہ ہوتا ہے اس لئے یہ اطاعت آخرالامر خود خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس باب میں اور تو اور خود حضور نبی اکرمؐ بھی اپنے آپ کو خدا کا عبد (محکوم) قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر (بفرضِ محال) مجھ سے بھی اس کے حکم کی کی خلاف ورزی ہو جائے تو مجھ سے بھی سخت مؤاخذہ ہو گا۔

خدا کی اطاعت کرانے کے لئے محسوس زندہ اتھارٹی کی ضرورت کس قدر لاینفک ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قرآنِ خداوندی اور ارشاداتِ نبویؐ دونوں میں "سمع اور طاعت" کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے یعنی "حکم کا سننا اور اس کی اطاعت کرنا"۔ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔۔۔۔ (۵/۷) "جب تم نے کہا کہ ہم نے حکم سُن لیا ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔" سورۃ النور میں ہے کہ "جماعتِ مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ جب انہیں ان کے کسی معاملہ میں حکم دینے کے لئے بلایا جائے تو وہ کہتے ہیں ۔۔۔ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔۔۔۔ (۲۴/۵۱) "ہم نے سنا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔" ارشادِ نبوی ہے ۔۔۔

لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بالامیر۔ ولا امیر الا بالسمع والطاعۃ۔ اسلام نام ہے جماعت (ہیئتِ اجتماعیہ) کا۔ اور جماعت (ہیئتِ اجتماعیہ) قائم ہوتی ہے۔ امیر (مرکزِ حکومت) سے۔ اور امیر باقی رہتا ہے اس لئے کہ اس کے احکامات کو سنا جائے اور پھر ان کی تعمیل کی جائے۔

حضورؐ کے عہدِ ہمایوں میں اللہ کی اطاعت۔ رسولؐ کی اطاعت اور امیر کی اطاعت سے یہی مفہوم تھا۔ یہ الگ الگ اطاعتیں نہیں تھیں۔ یہ اطاعتِ خداوندی کا عملی طریقہ تھا۔ جب تک امت ۔۔۔۔ کی مرکزیت کا یہ نظام قائم رہا، اس قسم کے سوال ہی پیدا نہ ہوئے کہ خدا کی اطاعت کس طرح کی جائے اور رسولؐ کی کس طرح۔ یا فقہا اور علماء کی کس طرح؟ یہ انتشار اس وقت پیدا ہوا جب امت کی مرکزیت (خلافت علی منہاج رسالت) باقی نہ رہی۔ امام اور جماعت کا باہمی کیا تعلق ہوتا ہے، اور جماعت بلا امام کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ اس کا نقشہ کسی جمعہ کی نماز کے وقت شاہی مسجد (یا کسی اور جامع مسجد) میں جا کر دیکھئے۔ لاکھ آدمیوں کا مجمع، قطار در قطار صحنِ مسجد میں کھڑا ہے۔ قدم بقدم۔ شانہ بشانہ۔ ایسے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ سامنے ایک امام ہوتا ہے۔ اس امام کی ایک آواز پر سب جھکتے ہیں۔ سب اٹھتے ہیں۔ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ سب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ کوئی اختلاف نہیں۔ کوئی انتشار نہیں۔ ذرا سا تفرقہ نہیں۔ یہ نتیجہ

تھا سمع و طاعت کا۔

فرضوں کی نماز کے بعد، وہی صحنِ مسجد ہوتا ہے۔ وہی نمازی۔ اُسی قسم کی نماز۔ لیکن صحن کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ کوئی کھڑا ہے۔ کوئی رکوع میں ہے۔ کوئی سجدہ میں ہے۔ کوئی بیٹھا ہے۔ کوئی سلام پھیر رہا ہے۔ کوئی جوتے اٹھائے صفیں چیرتا باہر نکل رہا ہے۔

وہی صحنِ مسجد جو ابھی ابھی، کامل ہم آہنگی و یک رنگی کا حیرت انگیز منظر تھا، اب یکسر خلفشار و انتشار کا عبرت انگیز مرقع ہے! اس کا سبب کیا ہے؟ صرف ایک امیر (مرکزِ امت) کی کمی۔ وہی سمع و طاعت کا فقدان ـــــ بلکہ یوں کہئے کہ وہی سمع کا فقدان، کیونکہ طاعت تو (انفرادی طور پر) اب بھی ہو رہی تھی۔

صدیوں سے اُمت اسی لامرکزیت کا شکار چلی آ رہی ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں :

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است ہنوز ایں کارواں دور از مقام است

زکارِ بے نظامِ او چہ گویم تو می دانی کہ ملّت بے امام است! (ارمغانِ حجاز) ص۱۱۶

(۱) جن لوگوں کے نزدیک مذہب ایک پیشہ ہے، ہمارا ان سے خطاب نہیں۔

(۲) جن لوگوں کے نزدیک مذہب اپنی مفاد پرستی کا ذریعہ ہے، ہمارا ان سے بھی خطاب نہیں۔

(۳) جو لوگ جہالت اور تعصب کی تاریکیوں میں اس قدر ڈوب چکے ہیں کہ وہ کسی ایسی بات کے سننے کے لئے تیار نہیں جسے حد ماننے چلے آ رہے ہیں، ہمارا ان سے بھی خطاب نہیں۔

(۴) ہمارا خطاب ہے صرف ان اربابِ قلب و نظر سے جو حقیقی اسلام کے احیاء کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں۔ اور ہر بات کو علم و بصیرت کی روشنی میں پرکھنے کے لئے تیار ہیں۔

ان حضرات کی خدمت میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کا احیا صرف ان عناصر سے وابستہ ہے۔

(۱) حاکمیت یا اطاعت صرف کتاب اللہ کی۔ اس کے ساتھ کسی اور کی حاکمیت یا اطاعت کا ملانا شرک ہے۔

(۲) خدا کی کتاب کی اطاعت کرانے کے لئے ایک زندہ اتھارٹی کی ضرورت۔

(۳) یہ اتھارٹی، اُمت کے باہمی مشورہ سے وجود میں آئے گی کیونکہ ختمِ رسالت کے بعد مامورین من اللہ کا دور ختم ہو گیا۔

(۴) یہ مرکزی اتھارٹی قرآن کے احکام نافذ کرے گی جن کی تعمیل کرانا، عمالِ حکومت کا فریضہ ہوگا۔ ان کی تعمیل کے طرق و اسالیب زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ (عند الضرورت) بدلتے رہیں گے لیکن قرآنی احکام و اصول ابدی طور پر غیر متبدل ہوں گے۔

یہی وہ طریق ہے جس سے اسلام کا احیاء ہوگا اور توحید کا نقش ثبت۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو (خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے اسلام کے احیاء کی کوششیں کیوں نہ کی جائیں) اس سے ہم اسلام سے اور دور ہوتے چلے جائیں گے، اور ہماری حالت ویسی کی ویسی رہے گی جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (۱۲/۱۰۶)

ان کی اکثریت ایسی ہے جو مومن کہلاتے ہوئے بھی مشرک کے مشرک رہتے ہیں۔

یاد رکھیے! بتوں کو خدا بنا لینا اگر شرک ہے تو انسانوں کو خدا بنا لینا شرکِ عظیم! توحید لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ہے۔ خالص اور صرف احکامِ خداوندی کی اطاعت۔